حضرت نظام الدین اولیاءؒ

از نثار احمد فاروقی شعبۂ عربی، ڈاکٹر ذاکر حسین کالج - دہلی ۶

شمالی ہندوستان پر مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قایم ہونے سے بھی بہت پہلے یہاں مسلمان تاجروں کی آمد و رفت تھی اور بعض شہروں میں اُن کی نوآبادیاں بھی بن گئی تھیں۔ ایسی ہی ایک نوآبادی بدایوں بھی تھا۔ مقامی ہندو حاکموں کی رواداری کی بدولت مسلمان تاجروں نے پورے پورے محلّے آباد کر لئے تھے جن میں مسجدیں بھی تھیں اور اُن سے پانچوں وقت اذان کی آوازیں بھی بلند ہوتی تھیں۔

اسی بدایوں میں دو تاجر خواجہ علی اور خواجہ عرب، بخارا سے آکر آباد ہوتے تھے۔ خواجہ علی کے بیٹے خواجہ احمد کی شادی خواجہ عرب کی دختر نیک اختر بی بی زلیخا سے ہوئی اور اُن کے بطن سے ۶۳۶ھ (۱۲۳۸ء) یا اس کے آس پاس ایک فرزند پیدا ہوا جسے آج دُنیا سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی کے نام سے جانتی ہے۔

حضرت نظام الدین نے ابھی ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا کہ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ حضرت کی تعلیم و تربیت کی تمام نگرانی آپ کی والدۂ ماجدہ نے کی۔ بدایوں اُس زمانے میں بڑے بڑے علماء، مشائخ اور صوفیاء کا مرکز بن چکا تھا۔ ہر طرف مدرسے اور خانقاہیں قایم ہو گئی تھیں۔ حضرت نظام الدین نے تقریباً ۱۶ برس کی عمر تک بدایوں میں رہ کر علوم رسمیہ کی تحصیل کی۔ قرآن شریف حفظ کرنے کے علاوہ انھوں نے حدیث، فقہ، تفسیر اور کلام وغیرہ کا درس لیا۔ اِسی

زمانے کا واقعہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی نے خیر المجالس میں بیان کیا ہے کہ جب حضرت نے کتاب "قدوری" کا درس ختم کیا تو آپ کے استاد مولانا علاء الدین اُصولی نے فرمایا کہ اب تمھیں دستار باندھنی چاہیئے۔ اُس وقت دستار خریدنے کی ہمت نہیں تھی۔ حضرت نے اپنی والدہ سے عرض کیا۔ انھوں نے بازار سے روئی منگا کر پہلے خود اُسے کاتا پھر ایک ہمسایہ کے گھر سے کپڑا بُنوایا۔ حضرت وہ دستار اور کچھ نقدی لے کر اپنے استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُستاد نے اپنے ہی گھر میں کچھ کھانا تیار کرایا اور بدایوں میں ایک درویش علی مولا نام کے تھے انھیں کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد دستار بندی ہوئی، تو دستار کے ہر پیچ کے ساتھ حضرت خود گھوم جاتے تھے اور ہر بار اپنے اُستاد کے قدموں پر سر رکھ دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر علی مولا نے ہندی میں کہا: "ارے مولانا یہ بڑا ہوسی" یعنی یہ طالب علم بہت بڑا آدمی بنے گا۔ مولانا نے پوچھا کہ یہ تم نے کیسے جانا، تو علی مولا نے کہا میں نے دو باتیں دیکھیں ایک تو یہ کہ جو دستار باندھ لیتے ہیں اُن میں کچھ نخوت آجاتی ہے اور وہ کسی کے قدموں میں سر نہیں رکھتے۔ دوسرے اس طالب علم کی پگڑی ریشم کی نہیں کھدر کی ہے "

اس زمانے میں ایک قوّال ابو بکر خرّاط نامی بدایوں آیا۔ وہ بہت سیر و سیاحت کر چکا تھا اور بہت سے درویشوں کی خانقاہوں میں حاضر ہوا تھا۔ اُس نے اپنے مشاہدات اور مختلف بزرگوں کے حالات سُنائے تو حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ سن کر حضرت نظام الدین اولیاء کے دل پر خاص کیفیت طاری ہوئی اور شیخ فریدؒ کا نام اُٹھتے بیٹھتے ورد زبان رہنے لگا۔ آپ نے اسی زمانے میں ارادہ کر لیا کہ کبھی نہ کبھی شیخ کی قدمبوسی حاصل کریں گے۔

بدایوں میں علم کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو مزید تکمیل اور تلاشِ معاش کے لئے دہلی کا قصد کیا۔ اُس وقت دہلی میں بھی بڑے بڑے مدارس قایم تھے جن میں مشہور علماء کا حلقۂ درس تھا جس میں شریک ہونے کے لئے وسطِ ایشیا تک سے طالبانِ علم کھنچے آتے تھے۔ حضرت نظام الدین شروع ہی سے ذہین، طبّاع، نکتہ رس اور ذکی القلب تھے۔ انھوں نے جو کچھ بھی

پڑھا تھا لیکن تحقیق سے پڑھا تھا اور علمی مسائل میں تہ رسی کا ملکہ خداداد تھا، چنانچہ اپنے ہم عصروں میں "بحاث" اور "محفل شکن" کہلانے لگے تھے۔ اُس وقت سرکاری ملازمت میں سب سے زیادہ معزز عہدہ قاضی کا تھا جو شریعت کے مطابق مقدمات کے فیصلے کیا کرتا تھا۔ حضرت کے ذہن میں بھی کسی وقت یہ خیال آیا کہ اگر قاضی کا عہدہ مل جائے تو اقتصادی تنگی دور ہو جائے گی۔

دہلی آئے تو حسن اتفاق سے انھیں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے پڑوس میں مکان ملا۔ شیخ نجیب کسی مسجد میں امامت کرتے اور وہاں بچوں کو پڑھاتے بھی تھے اُن کا گھر چھوٹا سا اور غالباً دو منزلہ تھا جس کی دوسری منزل پر چھپر پڑا ہوا تھا۔ اسی حال میں وہ ستر سال تک دہلی میں رہے یہیں انتقال فرمایا، اور اُن کا مبارک مزار آج بھی دہلی میں موجود ہے۔

قاعدہ یہ تھا کہ جب کسی بزرگ سے دعا کرانی ہوتی تھی تو فاتحہ کے لئے التماس کرتے تھے۔ وہ ہاتھ اُٹھا کر الحمد پڑھتا اور مقصدِ دلی کے لئے دُعا کرتا تھا۔ حضرت نظام الدین نے ایک دن شیخ نجیب الدین متوکل سے فاتحہ کا التماس کیا اور عرض کیا کہ میرے لئے عہدۂ قضا ملنے کی دعا فرمایئے۔ شیخ نے فاتحہ کے لئے ہاتھ نہیں اُٹھائے اور فرمایا۔ "تو قاضی مشو، چیزے دیگر شو۔" (تم قاضی مت بنو، کچھ اور بنو)

تعلیم سے فراغت کے بعد وہ دبی ہوئی تمنا پھر جاگ اُٹھی کہ شیخ فرید کی خانقاہ میں حاضری دیں۔ چنانچہ بے سروسامانی کے باوجود دہلی سے اجودھن تک پاپیادہ سفر کیا جو ملتان کے قریب واقع ہے اور اب پاک پٹن کہلاتا ہے۔ حضرت بابا فریدؒ نے آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ　　　سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

آپ سے کچھ استفسار کیا تو فرطِ محبت اور جوشِ عقیدت میں زبان ساتھ نہ دیتی تھی اور آپ پوری بات بھی نہ کہہ پاتے تھے۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا "لِکُلِّ دَاخِلٍ دَھْشَۃٌ"

یعنی نئی جگہ کچھ عجیب ہوتا ہی ہے۔ پھر اپنے حضرت بدر الدین اسحاق سے فرمایا کہ ان کے لئے جماعت خانے میں پلنگ بچھواؤ۔ حالانکہ دوسرے سب درویش زمین پر سوتے تھے۔

شیخ فرید نے اجودھن کو ایک گمنام اور دور افتادہ جگہ سمجھ کر انتخاب کیا تھا تاکہ فراغ خاطر سے ذکر و عبادت کر سکیں اور عوام کا ہجوم نہ ہو، مگر رفتہ رفتہ اجودھن کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی اور خلق خدا کا اتنا اژدہام رہنے لگا کہ رات کے بارہ ایک بجے تک خانقاہ میں آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ شیخ فرید کے مریدوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر گئی تھی اور خلفاء بھی بہت سے تھے جن میں بعض بہت نام آور بھی تھے اور برسوں سے خانقاہ میں رہ کر روحانی فیض حاصل کر رہے تھے اور خود شیخ کے پانچ فرزند بھی تھے مگر حضرت بابا فرید نے اپنی جانشینی اور خلافت اولیٰ کے لئے حضرت نظام الدین کو پہلی ہی ملاقات میں منتخب کر لیا۔ صوفیاء کی اصطلاح میں اسے "خلافت رحمانی" کہتے ہیں جو اشارۂ غیبی سے کسی کو دی جاتی ہے۔ خلافت دیتے وقت باباصاحب نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ آج میں نے ایک ایسا درخت لگایا ہے جس کے سائے میں بہت سی خلق خدا آرام پائے گی۔ حضرت نظام الدین نے دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت میں اس عظیم ذمہ داری کو کیسے پورا کر سکوں گا۔ تو باباصاحب نے فرمایا کہ خدا نے تمھیں علم اور عقل اور عشق یہ تینوں جوہر دئے ہیں اور جس میں یہ تینوں جمع ہوں اُس سے مشائخ کی خلافت خوب ہوتی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ میں نے خدا سے دُعا کی ہے جو تم مانگو تمھیں ملے اور تمھارے لئے دین کے ساتھ ہی تھوڑی سی دنیا بھی مانگ لی ہے۔ حضرت نظام الدین کے دل میں خطرہ گذرا کہ دُنیا کہیں اُلجھا نہ لے تو آپ نے دل کے حال پر مطلع ہو کر پھر فرمایا: "فکر نہ کرو۔ دنیا تمھیں آلودہ نہیں کر سکے گی"

یہ حضرت بابا فرید کی مبارک زندگی کا آخری زمانہ تھا۔ حضرت نظام الدین کو ہر سال صرف ۳۔۴ ماہ کے لئے اجودھن میں رہنے کا موقع ملتا تھا۔ اس طرح انھوں نے کم سے کم ۹۔۱۰ ماہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سال مجموعی طور پر اپنے شیخ کی خانقاہ میں گذارا۔ جہاں اگرچہ دین و دنیا کی

ہر دولت لٹ رہی تھی مگر ظاہری زندگی کا یہ حال تھا کہ کریل کے پھول اُبال کر کھائے جاتے اور اگر کسی دن اس میں ڈالنے کے لئے چند ڈلیاں نمک کی بھی میسر آجاتیں تو وہ گویا عید کا دن ہوتا تھا۔ جب کئی وقت گذر جاتے تو بابا صاحب کی خانقاہ سے زنبیل بھی گھمائی جاتی جس میں حسب توفیق کوئی کھانا وغیرہ ڈال دیتا اور وہ خانقاہ کے رہنے والوں کے کام آتا تھا۔ بعد کو وہ زمانہ یاد کر کے حضرت نظام الدین آبدیدہ ہوجاتے اور فرمایا کرتے کہ "مشائخ ما چنیں خونہا خوردہ اند تا بجائے رسیدہ اند"۔

جب بابا فرید کا انتقال ہوا تو انھوں نے وصیت کی کہ نظام الدین دہلی میں ہیں وہ آئیں تو میرا خرقہ، عصا، مصلّٰی، اور تسبیح وغیرہ انھیں دے دی جائے۔ یہ سب جانشین بنانے کی علامتیں تھیں۔ مرشد کے انتقال کے بعد حضرت نظام الدین نے دہلی کو اپنا مستقر بنایا اُس وقت کی دہلی مہرولی کے آس پاس آباد تھی۔ یہاں ترک امیروں کی شان و شوکت اور طمطراق نے عجب سماں باندھ رکھا تھا۔ طاقت اور دولت بے حساب ملے تو اخلاقی بدعنوانیاں بھی اُس کے ساتھ آتی ہیں۔ جمنا کے کنارے بہت سے امیروں نے اپنے عیاشی کے اڈے بنوا رکھے تھے۔ نمود و نمائش اور اسراف ایک عام بات تھی۔ ہر طرف رقص و نغمہ، نای و نوش اور ہائی وہو کا ہنگامہ گرم تھا۔ ہر امیر اپنی فضول خرچیوں میں دوسرے ہم چشموں کو نیچا دکھانا ضروری سمجھتا تھا۔ دہلی کا یہ رنگ دیکھا تو حضرت نظام الدین نے طے کر لیا کہ وہ اس شہر کو چھوڑ کر کہیں چلے جائیں گے۔ مگر ایک درویش انھیں حوضِ خاص پر ملا اور اُس نے از روئے کشف ان کے ارادے کو سمجھ کر یہ اشعار پڑھے:

آں روز کہ مہ شدی نمیدانستی — کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ خلقت دلِ عالم بربود — در گوشہ نشستنت نمی دارد سود

اور کہا کہ پہاڑوں کی کھوہ میں جا بیٹھنا اور عبادت کرنا کون سی مردانگی ہے۔ مردانہ ہمت تو یہ ہے کہ خلقِ خدا کے درمیان رہو۔ باہمہ اور بے ہمہ ہو کر رہو۔ چنانچہ حضرت نے

اُسی وقت ارادہ کر لیا کہ وہ کسی حال میں دہلی کو نہیں چھوڑیں گے۔ انھیں ایک غیبی آواز نے غیاث پور نامی گاؤں کی طرف متوجہ کیا اور آپ نے یہاں قیام فرما لیا۔

دہلی میں جہاں آج کل ہمایوں کا مقبرہ ہے اُس کے محاذ میں جانب شمال غیاث پور کی بستی تھی اور جنوب میں کیلوکھیڑی گاؤں آباد تھا۔ عام طور سے غریب کسانوں اور مزدوروں کے گھر چھپروں کے تھے مگر جمنا کے کنارے دور تک بادشاہ اور اُس کے اُمراء کے محل بھی تعمیر ہو گئے تھے۔ حضرت نظام الدین کے لئے ایک عقیدتمند ضیاء الدین وکیل نے وسیع قطعۂ زمین میں ایک مضبوط عمارت بنوا دی تھی۔ اُس کا صحن بہت کشادہ تھا جس میں پاکھر وغیرہ کے درخت بھی تھے۔ سامنے جماعت خانہ تھا جس کی عمارت بہت سے ستونوں پر کھڑی تھی اور ہر ستون کے ساتھ طالبانِ خدا کے بستر لگے ہوئے تھے۔ کسی مسافر خانے کی طرح یہ ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا تھا۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے حضرت نظام الدین نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلی تک کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ جماعت خانے میں دس دن سے زیادہ قیام نہ کریں حالانکہ وہ اجودھیا (فیض آباد) سے چل کر اپنے مرشد کی زیارت کرنے کو آیا کرتے تھے۔ جماعت خانے سے متصل جانب شمال ایک سہ دری اور ایک کمرہ تھا جس میں حضرت کی نشست رہتی تھی۔ یہ کمرہ لائبریری کا کام بھی دیتا تھا۔ صحن میں غالباً وضو کرنے کے لئے حوض بھی تھا اور یقین ہے کہ نمازِ باجماعت کے لئے کوئی مسجد بھی خانقاہ سے متصل ضرور رہی ہو گی جماعت خانے سے ملی ہوئی اور جنوب کی سمت میں ایک سہ منزلہ عمارت تھی یہیں حضرت آرام فرماتے تھے اور باوجود ضعیفی کے پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے زینے سے اُتر کر نیچے تشریف لاتے تھے حالانکہ وہ زینہ خاصا تنگ اور ضعیف آدمی کے لئے تکلیف دہ تھا۔ ہمایوں کے مقبرے کی تعمیر کے وقت غیاث پور اور کیلوکھیڑی کا بہت سا رقبہ حاصل کر لیا گیا تھا لیکن حضرت کی خانقاہ کو اُسی حالت میں چھوڑ دیا گیا تھا حالانکہ اس کی وجہ سے مقبرے کی چہار دیواری شمال کی جانب سے ٹیڑھی ہو گئی ہے۔ حضرت کی اِس خانقاہ کے کچھ آثار آج بھی موجود ہیں۔

غیاث پور کی اس خانقاہ میں ہر وقت مصیبت زدوں، حاجتمندوں، مفلسوں، مسکینوں اور زمانے کے ستائے ہوئے لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ ہزارہا انسان، بچے، جوان، بوڑھے، مرد، عورتیں، دعا کرانے اور تعویذ لینے یا حضرت سے کسی امیر کے نام سفارشی خط لکھوانے آتے رہتے تھے۔ خانقاہ سے متصل ہی مطبخ تھا جس کے انچارج حضرت خواجہ برہان الدین غریب تھے۔ یہاں ہر وقت کھانا پکتا رہتا تھا اور ہر آنے جانے والے کے لئے عام لنگر تھا۔ حضرت نظام الدین ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اس لئے آپ دن میں کچھ نہیں کھاتے تھے۔ آپ کے لئے خواجہ عبدالرحیم سحری کے وقت کچھ کھانا لے کر آتے تھے۔ آپ اُس وقت تہجد پڑھ کر ذکر و مراقبے میں مشغول ہوتے۔ کھانا سامنے رکھا جاتا تو آپ دو چار لقمے کھا کر ہاتھ روک لیتے۔ کبھی خواجہ عبدالرحیم کہتے "حضرت آپ افطار کے وقت بھی کچھ نہیں کھاتے اور اِس وقت بھی۔ اس سے تو کمزوری بہت بڑھ جائے گی" حضرت کی آواز رُندھ جاتی، آنکھوں میں آنسو امڈ آتے اور فرماتے: "اللہ کے ہزاروں مسکین بندے سڑکوں پر اور مسجدوں میں بھوکے پڑے رات گذار رہے ہیں۔ یہ کھانا نظام الدین کے حلق سے کیسے اُتر سکتا ہے؟"

ایک بار غیاث پور میں آگ لگ گئی۔ مئی یا جون کا مہینا تھا۔ دوپہر کا وقت اور چلچلاتی دھوپ۔ آپ کو خبر ملی تو اپنی خانقاہ کی تیسری منزل پر چڑھ گئے اور غریبوں کے چھپروں کو شعلوں کی لپیٹ میں آکر بھڑکتے ہوئے دیر تک دیکھتے رہے۔ آگ کی تپش اور دھوپ کی تمازت سے آپ کا چہرۂ مبارک بھی انگارے کی طرح دہکتا معلوم ہو رہا تھا۔ کئی گھنٹے تک اسی عالم میں یہ منظر دیکھا کئے اور نہایت افسردہ و رنجیدہ ہو کر نیچے اُس وقت اُترے جب آگ بجھنے لگی۔ اپنے خادم خواجہ اقبال کو بلا کر فرمایا "جاؤ اور جلنے والے گھروں کی گنتی کرو۔ اور ہر گھر والے کو چاندی کا ایک تنکہ ایک صراحی ٹھنڈا پانی اور دو دو روٹیاں پہنچاؤ" جب خواجہ اقبال اور خانقاہ کے دوسرے لوگ۔ خوان سروں پر رکھ کر ایک ایک کے گھر پہنچے ہیں تو حضرت کا بھیجا ہوا عطیہ سر پر رکھ کر لوگ فرط مسرت سے رونے لگتے تھے۔ اُس زمانے میں چاندی کا ایک

تنکا اتنی قیمت رکھتا تھا کہ اُس سے کئی چھپر ڈلوائے جا سکتے تھے۔

حضرت نظام الدین کسی کا دُکھ درد سنتے تو بے تاب ہو جاتے۔ ایک بار فرمایا

" آں قدر غم و اندوہ کہ مراست ہیچ کس را درین جہان نیست۔ زیرا کہ چندیں خلق می آیند و غم و اندوہِ خویش می گویند۔ ہمہ بردل و جانِ من می نشینند۔"

کہیں سے پیادہ پا تشریف لا رہے ہیں، راستے میں ایک عورت کو دیکھا کہ جمنا کے کنارے ایک کنوئیں سے پانی کھینچ رہی ہے فرمانے لگے: "اری جمنا کا پانی کیوں نہیں پیتی؟ جو کنوئیں سے بھر رہی ہے۔" اُس نے کہا: "میرا گھر والا بہت غریب آدمی ہے۔ خرچ مشکل سے پورا ہوتا ہے اور جمنا کا پانی بھوک زیادہ لگاتا ہے اس لئے ہم نہیں پیتے۔" یہ سُن کر آپ بے چین ہو گئے۔ آنکھوں میں آنسو لئے ہوئے اپنی خانقاہ میں آئے اور خادم کو بلا کر فرمایا "دیکھو غیاث پور میں فلاں عورت ہے اُس کے گھر جا کر معلوم کرو ماہانہ خرچ میں کتنی کمی رہتی ہے اور اتنا خرچ اُسے خانقاہ سے دیا کرو۔ اُس سے کہہ دو کہ آج سے وہ جمنا کا پانی پئے۔"

حضرت نظام الدین اولیاء ساری عمر مجرد رہے اِس لئے آپ کی صُلبی اولاد نہیں ہوئی۔ مگر آپ نے ساری خلق اللہ کو اپنی عیال سمجھا اور اس طرح اپنی بے پایاں شفقت اور بے کراں محبت سے سب کو نہال کیا جیسے ایک شفیق باپ اپنی اولاد کو کرتا ہے۔ آپ نے کوئی خزانہ جمع نہیں کیا۔ کوئی جائداد نہیں خریدی، کوئی سرکاری خطاب یا عہدہ قبول نہیں فرمایا، کسی بادشاہ یا امیر کے دربار میں نہیں گئے۔ اپنے انتقال سے چند ساعت پہلے جماعت خانے کے گودام کا سب غلّہ وغیرہ فقراء میں تقسیم کرا دیا تھا۔ مگر آپ کی خانقاہ میں لنگر آج تک جاری ہے۔

آپ نے ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ یعنی ۲ اپریل ۱۳۲۵ء کو بدھ کے دن صبح کے وقت اس عالمِ فانی سے پردہ فرمایا۔ کئی عقیدت مندوں نے آپ کی حیات ہی میں مقبرے کے لئے عمارتیں بنوا رکھی تھیں کہ شاید ہماری تعمیر کردہ درگاہ کو حضرت کا مدفن بننے کی سعادت مل جائے۔ مگر حضرت نے وصیت فرمائی کہ اُنھیں کھلے آسمان کے نیچے دفن کیا جائے اور اُس پر

کوئی عمارت نہ بنائی جائے چنانچہ ایک حوض کو مٹی سے پاٹ کر اُس کے وسط میں آپ کا جسدِ مبارک دفن کیا گیا بعد کو فیروز شاہ تغلق نے اس پر گنبد تعمیر کرایا۔ موجودہ روضہ عہد شاہجہاں کے ایک امیر خلیل اللہ حسینی کا بنوایا ہوا ہے۔

یہ اُس درویش خدامست کی مقدس اور پاکیزہ زندگی ہے جس نے بوریائے فقر پر بیٹھ کر ایسی مضبوط، مستحکم اور وسیع و عریض سلطنت کی بنیاد رکھی جو زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔ جس کا سکہ دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور دنیا کے ہزاروں سلطانوں کی سلطنت کا نام و نشان مٹ چکنے کے بعد بھی اس سلطان المشائخ کی روحانی حکومت اور جاہ و جلال کا پھریرا ہندوستان ہی میں نہیں چار دانگ عالم میں اُسی شان سے لہرا رہا ہے۔

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو)

حیاتِ مولانا عبدالحیؒ

مؤلفہ: جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب

سابق ناظم ندوۃ العلماء جناب مولانا حکیم عبدالحی حسنی صاحبؒ کے سوانح حیات علمی و دینی کمالات و خدمات کا تذکرہ اور اُن کی عربی و اردو تصانیف پر تبصرہ آخر میں مولانا کے فرزند اکبر جناب مولانا حکیم سید عبدالعلیؒ کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں۔

کتابت و طباعت معیاری، تقطیع متوسط ۲۶×۲۰

قیمت ۱۲/۵۰ بلا جلد

ندوۃ المصنفین، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶